بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علے رسولہ الکریم

نظرات

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ بر عظیم ہند کے مسلمانوں نے بڑے بلند عزم کے ساتھ تحریک پاکستان شروع کی تھی - وہ اپنی زندگیوں کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے ایک قطعہ زمین مانگتے تھے ' جہاں اسلامی شریعت کا نفاذ ہوسکے اور جہاں کی مملکت اصول اسلامی کا معمل ثابت ہو - ان کے اس عزم عالیشان کا نشان حیرت انگیز طور پر قلیل عرصے میں ہلال پاکستان کی شکل میں افق عالم پر نمودار ہوا -

دنیا کے لئے یہ اسلام کا بیسویں صدی کا معجزہ تھا کہ دین کے نام پر دنیا کی پانچویں سب سے بڑی سلطنت کا قیام عمل میں آیا - اسلام کے پرانے حریف چونکے اور انہوں نے شدید شبہے اور خطرے کی نگاہوں سے اس معجزے کو دیکھا - عالم اسلام کے لئے یہ ایک محیر العقول کارنامہ تھا جس کے ظہور میں آنے کا کسی کو سان گمان بھی نہ تھا - چنانچہ ایک طرف تو دنیا کے عام مسلمانوں نے اس نعمت غیر مترقبہ کو اسلام کے احیاء اور اس کی نشاۃ ثانیہ کا ثمر پیش رس جانا اور اس نوزائیدہ مملکت سے قیادت کی امیدیں وابستہ کیں - دوسری طرف ان کے مسلمان حکمران طبقے نے اس واقعہ عظیم کا حیرت و مسرت، رشک و رقابت اور شک و شبہے کے ملے جلے جذبات کے ساتھ خیر مقدم کیا -

الغرض ''مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایمان کی حرارت والوں نے - ''
پاکستان کا قیام عدیم النظیر سرعت اور بے مثال صلح و صفائی کے ساتھ عمل میں آیا لیکن ''من اپنا پرانا پاپی تھا ، برسوں میں نمازی بن نہ سکا'' - جن عظیم عزائم کو عملی شکل دینے کے لئے اس مملکت کا وجود منصہ شہود پر آیا تھا وہ بہت جلد نظروں سے اوجھل ہو گئے - جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ہم اپنی منزل سے دور ہی ہوتے گئے - ہم نے عام انسانی اقدار اور قومیت کے جذبات سے زیادہ اعلیٰ اور ارفع روحانی اور اخلاقی اصول کو اپنانے کا عزم کیا تھا' جن کی تعلیم ہمیں قرآن حکیم نے دی تھی اور جن کا نمونہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں ملتا ہے' لیکن نظر ایسا آتا ہے کہ ہم اسوہ حسنہ کی بلندیوں تک تو کیا پہنچتے، معمولی اخلاقی قدروں سے بھی تیزی کے ساتھ بیگانہ ہوتے جاتے ہیں - نتیجہ یہ ہے کہ ہم اپنے آپ پر اعتماد کھونے لگے ہیں - اپنی نگاہوں میں خود ذلیل ہو رہے ہیں - اغیار صرف ہم پر نہیں بلکہ اسلام پر بھی طعنہ زن ہیں' جس کے نام پر ہم نے یہ مملکت حاصل کی تھی- دنیائے اسلام میں جنہوں نے ہم سے امیدیں وابستہ کی تھیں ' ان میں حسرت و حرمان اور غم و غصے کے جذبات ابھرنے کے اندیشے پیدا ہو چلے ہیں اور جو پہلے ہی ہم پر شک کرتے تھے وہ سرگوشیاں کرنے لگے ہیں کہ ''ہم نہ کہتے تھے'' -

یہ صورت حال ہر حساس پاکستانی کو یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ پس چہ باید کرد ؟ مآل کار کیا ہو گا ؟ اصلاح احوال کی کیا صورت ہو گی ؟

لیکن حالات اتنے زیادہ مایوس کن بھی نہیں ہیں - کیونکہ ہم ہی وہ تھے جن کے ہاتھوں حصول پاکستان کی کرامت ظہور پذیر ہوئی تھی - سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم میں اس قدر جلد یہ تبدیلی کیوں آئی ؟ تحریک پاکستان کے وقت جو جذبہ ہم میں تھا وہ کیوں تیزی سے مفقود ہوتا جا رہا ہے ؟

ان سوالات کے جواب کے لئے ہمیں اپنا سختی سے محاسبہ کرنا ہے - کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم نے بغیر سوچے سمجھے محض جذباتی طور پر اسلام سے وابستگی کا اظہار کر دیا تھا ؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ''اسلامی نظام حکومت'' ''اسلامی نظام معیشت'' ''اسلامی معاشرہ'' اور اس قبیل کی دوسری اصطلاحیں

ہمارے لئے محض خوشنما نعروں کی حیثیت رکھتی تھیں جن کی ذمہ داریوں سے ہم قطعاً نا واقف تھے ؟

قوم کو بہت عرصہ تک نعروں پر زندہ نہیں رکھا جا سکتا ۔ ان نعروں کی اپنے وقت پر شاید ضرورت تھی لیکن اب صورت حال بدل چکی ہے - یہ نعرے اب کھوکھلے ہو چکے ہیں ۔ مثلاً ''اسلامی نظم مملکت'' پر عمل در آمد کا عزم بہت مبارک ہے - لیکن محض عزم کے بالجہر اعلان سے کام نہیں بنے گا ۔ اسے عمل میں لانا ہے اور اسکے لئے علم راسخ درکار ہے - '' اسلامی معیشت '' ہی میں دنیا کی فلاح مضمر ہے ۔ اس پر ہمارا ایمان ہے ۔ لیکن وہ نظام معیشت ہے کیا ؟ اور آج کے حالات میں اسے کیسے رائج کیا جا سکتا ہے ؟ یہ مسائل تحقیق طلب ہیں ۔ ''اسلام ہی بہترین معاشرتی نظام پیش کرتا ہے'' - اس حقیقت سے کس مسلمان کو انکار ہو سکتا ہے ؟ لیکن اس نظام کے خدو خال کیا ہیں ؟ اسے رائج کرنے کے لئے کیا تدبیریں درکار ہیں ؟ یہ امور سنجیدہ فکر و نظر کے محتاج ہیں -

ہم پاکستانیوں کو شاید اس کا صحیح احساس نہیں کہ ہم نے اپنے ذمے وہ کام لئے ہیں جو صدیوں سے اسلام کی تاریخ میں محتاج توجہ تھے - شاید اس باب میں ہم سے کچھ اسی قسم کی مبارک غلطی سر زد ہوئی جس کا ذکر قرآن کریم نے ان لفظوں میں کیا ہے -

انا عرضنا الامانة علی السموات والارض والجبال فابین ان
یحملنها و اشفقن منها وحملها الانسان انه کان ظلوماً جهولا

(ہم نے آسمانوں پر، زمین پر، اور پہاڑوں پر امانت پیش کی ۔ ان سب نے اس بار کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے جھجھک گئے۔ مگر انسان نے اسے اٹھا لیا - بیشک انسان ظلوم و جہول ہے ۔ سورہ الاحزاب، آیت ۲۔) اس جرأت رندانہ کے ہم ہی سزاوار بھی تھے۔ اسلئے کہ ہم اس اقبال کے وارث ہیں جسے ''صید زبوں''

سے عار تھی، جو شاہین صفتی کا پیام لیکر آیا تھا اور جس کی تعلیم تھی کہ :-

میارا بزم بر ساحل که آن جا　　نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و با موجش در آویز　　حیات جاوداں اندر ستیز است

اب جب کہ ہم دریا میں کود چکے ہیں ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ٫ کار نہیں کہ اس کی موجوں سے نبرد آزما ہوں - پیچھے مڑ کر دیکھنے میں سرا سر ہلاکت ہے -

---

الغرض نہ صرف پاکستان کی ترقی کے لئے بلکہ اس ملک کے مجرد تحفظ و بقاء کے لئے تحقیقات اسلامی کے سلسلے میں سرگرمی دکھانا لازمی ہے -

لیکن تحقیق وطلب علم کی وادی بڑی خار زار ہے- اس میں متعدد بڑے سخت مقام آتے ہیں - مگر قرآن کریم کی روشنی میں اس وادی کو عبور کرنا مشکل نہیں - بالخصوص سورہ٫ الکہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طلب علم کی جوتمثیلی حکایت بیان کی گئی ہے، وہ تحقیقاتی کام کرنے والوں کے لئے مشعل ہدایت ہے -

اس حکایت سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ حصول علم کی کوئی حد نہیں - اس راہ میں موسیٰ کلیم اللہ بھی اپنے سے زیادہ علم رکھنے والے کے آگے زانوئے تلمذ تہ کرتے اور اس کی جھڑکیاں سنتے اور سہتے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے - در حقیقت یہاں عالم کوئی نہیں ، ہر ایک طالب علم ہے - اس امر کا سبق ہمیں قرآن حکیم ایک اور جگہ بھی دیتا ہے ، جہاں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی گئی ہے کہ

وقل رب زدنی علماً

(اور اے پیغمبر ! اپنے رب سے کہو کہ اے پروردگار ! میرے علم میں اضافہ فرماتے رہئے - سورہ٫ طٰہٰ ، آیت ۱۱۴) -

یہ حکایت ہمیں یہ بھی سکھاتی ہے کہ علم و تحقیق کے معاملے میں ذاتی بڑائی اور شہرت کی کوئی سند نہیں - علم اس کی دین ہے جسے چاہے

پروردگار دے ۔ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا علم بھی ایک ایسے عالم کے سامنے ''حیرت فروش'' نظر آتا ہے ۔ جسے قرآن حکیم نے بغیر نام بتائے محض اس صفت سے یاد کیا ہے کہ

علمناہ من لدنا علماً

(اسے ہم نے اپنی طرف سے علم کا ایک حصہ عطا کیا تھا ۔ سورہٗ الکہف ' آیت ٦٦) ۔ علم کے بارے میں کوئی دعویٰ ' کوئی زعم معنی نہیں رکھتا ۔ اس کی فہمائش قرآن حکیم نے ایک اور جگہ یوں کی ہے ۔

وفوق کل ذی علم علیم

(ہر علم رکھنے والے سے بڑھکر ایک عالم ہے ۔ سورہٗ یوسف ' آیت ٧٦) ۔

یہ حکایت ہمیں یہ بھی انتباہ کرتی ہے کہ تحقیق کی دنیا میں کوئی چیز پہلے سے متحقق نہیں ۔ کوئی اور جو بظاہر کیسا ہی بدیہی کیوں نہ ہو درحقیقت نظری ہے ۔ ''کشتئی مسکین'' و ''جان پاک'' و ''دیوار یتیم'' میں سے ہر واقعہ اپنی جگہ ایک پوشیدہ معنی رکھتا ہے جو ظاہر بین نگاہوں سے اوجھل ہے ۔ اور جس کی تلاش اسوہٗ کلیمی ہے ۔

بالاخر سب سے اہم سبق جسے بار بار ذہن نشین کرایا گیا ہے، یہ ہے کہ تحقیق علم کا کام بڑا صبر چاہتا ہے ۔ اور بڑا عالی ظرف ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خضر راہ اس لئے بار باران سے کہتے ہیں کہ

لن تستطیع معی صبراً

(تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے ۔ سورہٗ الکہف ' آیت ٦٨ ، ٨٢ ' ٧٦)

فکر و نظر کی اس بزم میں جو ہم نے ان صفحات کی بساط پر ترتیب دی ہے ہم اسی صبر و تحمل کے طلب گار ہیں ۔ اور اپنے پروردگار سے دست بدعا ہیں کہ

رب ارنی حقائق الاشیاء کما ھی ۔

(اے میرے رب مجھے اشیاء کی حقیقت اس طرح دکھائیے جیسی کہ وہ ہیں۔)

دینی مسائل پر بحث و تمحیص بہت ذمہ داری کی چیز ہے - اگر دین کے بنیادی مسئلے زیر غور ہوں ، تو بالخصوص بڑے حزم و احتیاط کی ضرورت ہے - ''فکر و نظر'' کے پچھلے شمارے میں ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب کا فکر انگیز مقالہ ایسے ہی بنیادی مسائل پر تھا - اس مقالے کی دوسری قسط پیش خدمت ہے - اور اس کی باقی قسطیں آئندہ شماروں میں شائع ہوتی رہیں گی - یہ پر مغز اور معرکۃ الارا مقالہ ایک وحدت ہے جسے محض طباعت کی سہولت کے پیش نظر قسطوں میں شائع کیا جارہا ہے - قارئین کرام سے درخواست ہے کہ مسائل زیر بحث کے سلسلے میں کسی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے

مقالہ کی مکمل اشاعت کے انتظار کی زحمت فرمائیں

اس مقالے کے کسی جزو یا اس کی کسی قسط کو جزواً جزواً ہرگز نہ دیکھیں -

---

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنك رحمة انك انت الوھاب .

(اے ہمارے پروردگار ، ہمیں سیدھے رستے لگا دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ڈانوا ڈول نہ کر اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما ، یقیناً تو ہی ہے کہ بخشش میں تجھ سے بڑا کوئی نہیں - آل عمران ، آیت ۸ -)

سبحانك لا علم لنا الا ما علمتنا انك انت العليم الحکیم .

(خدایا ، ساری پاکیاں اور بڑائیاں تیرے ہی لئے ہیں - ہم تو بس اتنا ہی جانتے ہیں - جتنا تو نے ہمیں سکھلا دیا ہے - بیشک تو ہی سب سے زیادہ جاننے والا اور حکمت والا ہے - البقرۃ ، آیت ۳۲)